مخالف ومزاحم زوائد ومفاسد سے پاک ہوگی وہ لازماً اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان بھی چڑھے گی۔ انبیاء علیہم السلام نفوسِ انسانی کا جو تزکیہ کرتے ہیں اس میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں اور ان کے اعمال واخلاق کو غلط چیزوں سے پاک صاف بھی کرتے ہیں اور ان کے اعمال واخلاق کو نشوونما دے کر ان میں مفاسد اور مخالف ومزاحم چیزوں کے بالمقابل استقلال کے ساتھ سینہ سپر رہنے اور استقامت دکھانے کی قوت بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کتاب کے مقابلہ میں نفوس کا تزکیہ کہیں زیادہ دیدہ ریزی، مشقت اور صبر وریاض کا طالب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا ذکر تمام دین وشریعت کے غایت ومقصد کی حیثیت سے ہوا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت ہم انشاء اللہ آگے کسی موزوں مقام پر کریں گے۔

'عزیز' اور 'حکیم' کا مفہوم

آیت کے خاتمہ پر خدا کی دو صفتوں — عزیز وحکیم — کا حوالہ ہے۔ عزیز کے معنی غالب اور عزت وقوت والے کے ہیں۔ یعنی وہ ذات جو پوری قوت وصولت اور پورے اختیار واقتدار کے ساتھ اس کائنات پر فرمانروائی کر رہی ہے — حکیم کے معنی ہیں جس کے ہر کام میں حکمت، مصلحت اور مقصد وغایت ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں کا حوالہ بالعموم ایک ساتھ آتا ہے۔ اس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات پر پوری قوت اور پورے غلبہ کے ساتھ حاوی اور متصرف ہے، لیکن اس کے اس غلبہ واقتدار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کے زور میں جو چاہے کر ڈالے، بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت ومصلحت کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام بھی حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔

یہاں ان دونوں صفتوں کا حوالہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ جو خدا عزیز وحکیم ہے، اس کی عزت وحکمت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی اس مملکت میں اپنا سفیر اور پیغمبر بھیجے جو اس کی رعیت کو اس کے احکام وقوانین سے آگاہ کرے اور ان کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۳۰)

رَغِبَ کا صلہ جب عَن کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی چیز سے بے رغبت اور بیزار ہونے کے ہوتے ہیں۔

لفظ 'سَفِہَ' کی تحقیق

سَفِہَ زیادہ تر لازم آتا ہے۔ لیکن متعدی بھی آتا ہے۔ مثلاً سَفِہَ نَفْسَہٗ کے معنی ہوں گے اس نے اپنا نصیبہ بگاڑ لیا سَفِہَ رَایَہٗ کے معنی ہوں گے اس نے احمقانہ رائے اختیار کی۔ اسی طرح سَفِہَ نَفْسَہٗ کے معنی ہوں گے۔ اس نے اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کیا۔

یہ اسلوبِ کلام اظہارِ تعجب اور اظہارِ افسوس دونوں کا جامع ہے۔ اشارہ یہاں یہود کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ ملتِ ابراہیمؑ کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں، بلکہ اپنے زعم میں اس کے

واحد اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں، دوسری طرف ان کا یہ حال ہے کہ جو پیغمبر ملت ابراہیمؑ کا داعی بن کر آیا ہے اس سے اور اس کی دعوت سے یہ سب سے زیادہ بیزار ہیں اور ان لوگوں کو بے وقوف قرار دے رہے ہیں۔ جو اس دعوت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ حماقت اور خرد باختگی کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا (اور ہم نے دنیا میں اس کو برگزیدہ ٹھہرایا) یہ اس برگزیدگی کی طرف اشارہ ہے جو ان کو دنیا کی قوموں کی سرداری و پیشوائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشی اور جس کا ذکر اوپر آیت ۱۲۴ میں گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے سب کی امامت کے لیے منتخب فرمایا، احمق ہی ہوگا جو اس کی ملت کی پیروی سے اعراض اختیار کرے گا۔

صالحین کا لفظ قرآن مجید میں عام نیکو کاروں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور اس پورے زمرے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جو انبیاء صدیقین اور شہداء اور صالحین سب پر مشتمل ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۳۱)

اسلام کا مفہوم — اسلام کے معنی اپنے آپ کو پورے طور پر خدا کی مرضی اور اس کے احکام کے حوالہ کر دینا ہے۔ یہاں ہمارے نزدیک اس سے بیٹے کی قربانی کی طرف اشارہ ہے۔ یوں تو وہ تمام امتحانات، جن سے وہ گزارے گئے، ان کے اسلام کی جانچ ہی کے لیے تھے، گویا ہر امتحان زبانِ حال سے ان کے سامنے أَسْلِمْ ہی کا مطالبہ رکھنے کے لیے نمودار ہوا لیکن خاص طور پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم جس میں کامیابی کے بعد وہ برگزیدگی اور امامت کی عزت سے نوازے گئے ہیں، کامل سپردگی اور کامل حوالگی کا ایک ایسا مطالبہ تھا جس کی تعبیر کے لیے سب سے زیادہ جامع اور حقیقت افروز لفظ اگر کوئی ہو سکتا تھا تو أَسْلِمْ ہی کا لفظ ہو سکتا تھا۔

یہ لفظ واقعہ قربانی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے قرآن مجید میں بعض دوسرے مقامات میں بھی آیا ہے مثلاً فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۱۰۳۔ صافات (پس جب باپ اور بیٹے دونوں نے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالے کر دیا اور ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا)

یہاں اس واقعہ کی طرف اسلام کے لفظ سے اشارہ کر کے قرآن نے کئی حقیقتیں واضح کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت دونوں میں جو برگزیدگی بخشی وہ، جیسا کہ آیت ۱۲۴ میں اشارہ ہو چکا ہے، ان کی ان جان بازیوں اور قربانیوں کا صلہ ہے جو انھوں نے رب کی رضا طلبی کی راہ میں کیں۔ یہ عظمت ان کو مفت میں نہیں حاصل ہوئی جس طرح یہود اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کو کامل سپردگی اور کامل حوالگی یعنی اسلام کا حکم ہوا تھا اور انھوں نے اپنے قول و عمل سے اسی اسلام کا مظاہرہ کیا نہ کہ یہودیت یا نصرانیت کا جیسا کہ یہود یا نصاریٰ گمان کرتے ہیں۔ تیسری یہ کہ اسلام کی اصل روح اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالہ کر دینا ہے

یہاں تک کہ کوئی عزیز سے عزیز چیز بھی بندے کے نزدیک خدا سے زیادہ عزیز نہ رہ جائے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۳۲)

تَوصِیَہ کے معنی تعلیم و تلقین کرنے کے ہیں، عام اس سے کہ یہ تعلیم و تلقین کوئی شخص اپنی وفات کے وقت کرے یا زندگی کے کسی دوسرے مرحلہ میں۔

بِهَآ میں ضمیر ملّت اسلام کے لیے ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ کے لفظ سے ہوا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی وصیت

حضرت ابراہیمؑ کی اس وصیت کا ذکر اگرچہ یہود کے صحیفوں میں کہیں نہیں ملتا لیکن ظاہر ہے کہ دین کے معاملہ میں اپنی اولاد اور اپنے اتباع کو وصیت و نصیحت انبیاء علیہم السلام کی عام سنت رہی ہے۔ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کے عام بزرگانِ خاندان اور سردارانِ قبائل سے متعلق بھی اس طرح کی تلقین و نصیحت کی بکثرت روایات منقول ہیں۔ یہاں تک کہ تالمود میں ایک وصیت حضرت یعقوبؑ کی بھی قرآن مجید کی بیان کردہ وصیت سے ملتی جلتی موجود ہے۔ خاندانوں اور ملتوں میں اس طرح کی روایات خاندانوں کے اکابر ہی کے طرزِ عمل سے قائم ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے یہ بات بالکل قرینِ قیاس ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے بعد والوں کے لیے یہ سنت چھوڑی ہو۔ رہی یہ بات کہ انھوں نے اپنی اولاد کو ملتِ اسلام کی وصیت کی تو یہ اس قدر واضح ہے کہ اس کے لیے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اوپر ان کی جو سرگزشتِ حیات بیان ہوئی ہے اس سے یہ واضح ہے کہ وہ جس ملّت سے آشنا ہوئے، جس ملّت کی انھوں نے دعوت دی اور اپنی عظیم قربانی سے جس ملّت کی حقیقت کا انھوں نے مظاہرہ کیا، وہ اسلام ہے، تو پھر وہ اس ملّت کو چھوڑ کر اپنی اولاد کو یہودیت یا نصرانیت کی تلقین کس طرح کرتے جن سے وہ سرے سے آشنا ہی نہیں ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب کا ذکر یہاں اس خصوصیت کی وجہ سے ہوا کہ بنی اسرائیل براہ راست انھی کی اولاد تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ روایت اگر ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نیچے تین پشتوں تک برابر ملتِ اسلام ہی کی وصیت کی ہے نہ کہ یہودیت و نصرانیت کی، تو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کے مدعیوں کے لیے پیروی کی چیز اسلام ہے یا یہودیت اور نصرانیت؟

'الدین' سے مراد

اَلدِّین سے مراد وہ دینِ حقیقی ہے جو شروع سے اللہ کا دین ہے یعنی اسلام۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۱۹۔ آل عمران (حقیقی دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے) ایک جگہ ارشاد ہے۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۸۳۔ آل عمران (کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں، حالانکہ

آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں طوعاً یا کرہاً سب اسی کے مطیع ہیں اور سب اسی کی جانب لوٹیں گے، یہی دین اللہ کا دین ہے اور یہی دین اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے ہمیشہ بھیجا۔ اسی دین کی پیروی اور اسی پر جینے اور مرنے کی وصیت حضرت ابراہیمؑ و حضرت یعقوبؑ نے اپنی اپنی اولاد کو فرمائی لیکن بعد میں بنی اسرائیل نے اس میں تحریف کر کے اس کا حلیہ بگاڑ ڈالا اور اس کی جگہ یہودیت و نصرانیت کے فتنے کھڑے کر دیے۔

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (پس تم نہ مرنا مگر حالتِ اسلام پر) میں یہ مضمون پوشیدہ ہے کہ س دین کی امانت ایک بھاری امانت ہے، اس امانت کا حق تمہیں عہد سے لے کر لحد تک ادا کرنا ہے۔ اس راہ میں بڑی بڑی آزمائشیں پیش آتی ہیں اور تمہیں ان آزمائشوں کا پورے عزم و ہمت سے مقابلہ کرنا ہے، خیال رکھنا، شیطان تمہیں کسی مرحلہ میں اس مقام سے ہٹنے نہ پائے۔ تمہیں اسی کے لیے جینا اور اسی کے لیے مرنا ہے۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا
نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (۱۳۳)

حضرت یعقوبؑ کی وصیت

یہ سوال کا انداز مخاطب کو متنبہ کرنے اور تقریر کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے اختیار فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تمہارے بزرگ آباد و اجداد یہودیت یا نصرانیت پر تھے تو کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کا آخری وقت آیا اور انھوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کے لیے بلایا ہے۔ اس وقت انھوں نے ان سے کس چیز کا اقرار لیا۔ توحید اور اسلام کا یا یہودیت اور نصرانیت کا؟ اس سوال کے بعد قرآن نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں سے سوال اور ان کے بیٹوں کا متفقہ جواب نقل کیا ہے جو صاف صاف دینِ توحید اور اسلام کے حق میں ہے۔ یہود کے لٹریچر میں بھی اس وصیت سے متعلق جو روایت ملتی ہے اس کے الفاظ اگرچہ قرآن کے الفاظ سے کچھ مختلف ہیں لیکن ان سے تائید بہرحال قرآن ہی کے بیان کی نکلتی ہے نہ کہ بنی اسرائیل کے مذکورہ دعوے کی۔ اس لیے کہ اس میں یہودیت یا نصرانیت کی طرف کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے[1]۔

---

[1] ہمارے مخدوم مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے یہود کے لٹریچر سے تلاش کر کے اس موقع پر اپنی تفسیر میں دو حوالے نقل کیے ہیں، ایک حضرت اسحاقؑ کی وصیت سے متعلق ہے، دوسرا حضرت یعقوب کی وصیت سے متعلق۔

"جب اسحاقؑ نے دیکھا کہ اس کا وقت موعود آپہنچا تو انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس کی صفات اعلیٰ، عظیم، قیوم، عزیز ہیں۔ اور جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا۔" گنزبرگ کی قصص یہود جلد اول ص ۴۱۶ (باقی بر ص ۳۴۶)